لقائے باری تعالیٰ کا حصول اعلیٰ اخلاق سے مزین ہوئے بغیر ممکن نہیں۔ حصول لقاء کے دیگر ذرائع

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰ / مارچ ۱۹۹۰ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک بار کسی نے یہ سوال کیا کہ یارسول اللہ! قیامت کب ہوگی۔ تو آپ نے جواباً فرمایا: تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے بہت ہی پیارا اور بہت ہی گہرا پر حکمت جواب ہے۔ کب سے انسان کو غرض نہیں ہونی چاہئے تیاری ہمیشہ رہنی چاہئے۔ پس گزشتہ جمعہ میں جب میں نے اللہ تعالیٰ سے لقاء کے متعلق جو دعاؤں کی تحریک کی تھی۔ اس کے تعلق میں مجھے خیال آیا کہ تیاری کے سلسلے میں بھی کچھ باتیں آج آپ کے سامنے رکھوں کیونکہ قیامت کی تیاری درحقیقت لقاء کی ہی تیاری ہے اور دونوں ایک ہی مضمون ہیں۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے جب فرمایا کہ قیامت کی کیا تیاری کی ہے۔ تو بلاشبہ اس سے مراد یہ تھی کہ قیامت میں تو خدا سے لقا ہوگی یعنی وہ لقاء جو ایک نہ ایک رنگ میں ہر ایک کو نصیب ہوگی اس کے سامنے پیش ہونا ہوگا ان معنوں میں لقاء ہے۔ پس جب پیش ہوگے تو اس کے لئے کیا تیاری ہے اور مراد درحقیقت یہ تھی کہ اصل لقاء جو تعلق اور محبت کی لقاء ہوا کرتی ہے، اس کے لئے اگر تم نے اس دنیا میں تیاری نہ کی تو قیامت کا تمہیں کوئی بھی فائدہ نہیں ہوگا۔ پس اس پہلو سے ہمیں خدا تعالیٰ کی لقاء کے مضمون کو سمجھنا بھی چاہئے اور اس کے لئے ہمہ وقت تیاری بھی کرنی چاہئے۔

اس ضمن میں پہلی بات تو یہ آپ کے سامنے رکھنی چاہتا ہوں کہ لقاء کسی ایسے ایک لمحے کی ملاقات کا نام نہیں جو اچانک نصیب ہو جاتا ہے اور جس طرح آپ ایک دوست سے ملتے ہیں اور پھر اس سے جدا ہو جاتے ہیں اور اس کی خوشیاں دل میں لئے پھرتے ہیں۔ خدا سے بھی گویا اسی قسم کی کوئی ملاقات ہوگی۔ لقاء کا مضمون جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف ملفوظات اور کتب میں بہت کھول کر بیان فرمایا ہے عام انسانی ملاقات سے مختلف حیثیت رکھتا ہے۔ یہ لقاء ایسی ہے جس میں جس حصے کی لقاء نصیب ہو جائے وہ پھر مستقل لقاء رہتی ہے اور اگلے کی طلب پیدا ہو جاتی ہے۔

خدا تعالیٰ کی لقاء دنیا میں بیک وقت کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی کیونکہ خدا تعالیٰ لامحدود ہے اور انسان محدود ہے اور محدود انسان لامحدود میں سفر کر سکتا ہے لیکن اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ پس لقائے باری تعالیٰ کا مضمون خدا کی ذات میں سفر کرنے کا مضمون ہے اور جو قدم آگے بڑھایا جاتا ہے پھر اس میں واپسی نہیں ہوا کرتی۔ یہ تو نہیں ہوا کرتا کہ جتنا حصہ خدا کا پا لیا پھر اس کے بعد خدا کے احاطے میں سے باہر نکل جائیں اور کہیں کہ یہ لقاء ہوگئی اب ایک دوسری لقاء کی کوشش کرتا ہوں بلکہ ایک سفر ہے جو لامتناہی ہے۔ تبھی حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دفعہ جب ایک کھوکھلے فلسفی نے یہ سوال کیا کہ اگر کوئی انسان سمندر میں کشتی پر سفر کر رہا ہو اور کنارہ آجائے۔ وہ پھر بھی کشتی میں بیٹھا رہے تو اس کے متعلق آپ کیا خیال کریں گے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی یہ واقعہ بیان کیا ہے بڑا دلچسپ ہے۔ مطلب یہ تھا کہ عبادتیں کرتے ہو اس غرض سے کہ خدا مل جائے لیکن اگر خدا مل جائے اور پھر کشتی میں ہی بیٹھے رہو تو بڑی بے وقوفی ہوگی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو کوئی کنارے والا سمندر ہو تو کشتی میں بیٹھے رہنا بہت بے وقوفی ہے لیکن اگر کوئی سمندر بے کنار ہو تو کسی مقام کو کنارا سمجھ کر وہاں جو اترے گا، وہیں ہلاک ہو جائے گا۔

پس خدا تعالیٰ کی لقاء کا مضمون دراصل یہی ایک لامتناہی سفر ہے اور اس سفر میں کوئی واپسی نہیں ہے کوئی قدم پیچھے اٹھنے والا نہیں ہے کیونکہ اگر اس سفر میں واپسی شروع ہو جائے تو وہ بہت ہی زیادہ خطرناک بات ہے۔ خدا کو پانے کے بعد اس سے بے وفائی کرنا اور اس سے منہ موڑنا ہلاکت کو دعوت دینے والی بات ہے۔ پس ایسی لقاء جو مسلسل بڑھتی چلی جائے اس کو لقائے باری تعالیٰ کہتے ہیں اور جو اس دنیا میں نصیب ہونی شروع ہو جائے پھر قیامت کے دن اس لقاء کا ایک ظاہری نظارہ بھی

دکھائی دے گا وہ کیا ہوگا ؟ ہم اس کا تصور نہیں باندھ سکتے۔ مگر ہر شخص کی لقاء کی حیثیت اور توفیق اس دنیا میں طے ہوگی اور جتنی لقاء اس دنیا میں کسی کو نصیب ہوئی ہے۔ اس سے ممکن ہے ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ اس میں روشنی پیدا ہو جائے اور اس لقاء کی جزا یہ ہو کہ خدا ایسے دکھائی دینے لگے گویا ہماری آنکھوں کے سامنے ظاہر ہو گیا ہے۔ مگر اس کے باوجود ہر شخص کی لقاء الگ الگ ہے۔ چنانچہ اس گڈریے کی لقاء اور تھی جو خدا تعالیٰ سے اپنے رنگ میں پیار سے باتیں کر رہا تھا کہ تو مجھے ملے تو میں تیری جوئیں ماروں، تیرے کپڑے دھوؤں، کانٹے نکالوں اور موسیٰؑ کی لقا اور تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے کلیم اللہ کا لقب عطا فرمایا اور لقاء کے تعلق میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک خاص مقام تھا۔ مگر وہ مقام محمد مصطفی ﷺ کی لقاء کے مقابل پر کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ پس وہ سفر جو ایک گڈریے کی لقاء سے شروع ہوتا ہے، وہ طور پر جا کر ختم نہیں ہوتا **بلکہ طور کے بعد مقام محمد مصطفی ﷺ آتا ہے۔ یعنی محمد مصطفیؐ کا قلب جس پر خدا جلوہ گر ہوا تو انسانی لقاء کا مضمون کامل ہوا۔** لیکن یہ مطلب نہیں کہ خدا محدود ہو گیا۔ مراد صرف یہ ہے کہ انسان کو خدا تعالیٰ نے جتنی توفیق عطا فرمائی ہے، جتنی استطاعت بخشی ہے۔ اس کی آخری حد تک خدا تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کو پہنچنے کی توفیق بخشی، لیکن ساتھ ہی معراج میں یہ بات ظاہر فرما دی کہ وہ حد آپؐ کی آخری حد تھی خدا کی آخری حد نہیں تھی بلکہ خدا کی حدود کا آغاز تھا۔ جہاں وہ تمثیلی بیری لگی ہوئی ہے جو انسان کی حد کو خدا کی حدوں سے جدا کرتی ہے۔ وہاں تک پہنچنا انسان کاملؐ کا کام تھا لیکن یہ مراد نہیں کہ اس کے بعد خدا ختم ہو جاتا ہے۔ خدا تو ایک لامتناہی ہستی ہے اور پھر اپنے فضل سے اس نے کس حد تک آنحضرت ﷺ کو اپنے اندر سفر کی توفیق بخشی۔ یہ ایک عام انسان خواہ وہ کیسا ہی نیک اور بزرگ اور فلسفی کیوں نہ ہو سوچ بھی نہیں سکتا کیونکہ یہ ایسی باتیں ہیں جن کا تصور تجربے کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتا۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں جو تجربے کے بغیر بھی سوچی جاسکتی ہیں۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو بغیر تجربے کے نصیب نہیں ہو سکتیں۔ تبھی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعویٰ فرمایا کہ محمد مصطفی ﷺ کے دیدار کا دعویٰ کرنے والو اور دیکھنے والو جب تک میری آنکھ سے نہ دیکھو تمہیں پتہ ہی نہیں کہ وہ کیا چیز تھی۔ پس اگر حضرت محمد مصطفی ﷺ بھی عام انسانوں کو مکمل طور پر دکھائی نہیں دے سکتے۔ تو خدا تعالیٰ کے متعلق یہ تصور کر لینا کہ اس کی لقاء آناً فاناً ایک جلوے کی صورت میں ظاہر ہو اور وہی اس کا منتہیٰ بن

جائے یہ ناممکن بات ہے۔ یہ بے وقوفی والی بات ہے۔ پس اس پہلو سے لقاء کے مضمون کو اپنی توفیق کے مطابق سمجھنے اور اپنی توفیق کے مطابق اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

لقاء تو ہر جگہ ہر صورت میں ممکن ہے۔ جہاں آپ کی نظر پڑے وہاں خدا کی لقاء ہو سکتی ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا ہر جگہ ہے تو اس کا ایک تو وہ تصور ہے جو ظاہری شش جہات کا تصور ہے لیکن خدا کے معاملے میں یہ تصور اس سے بہت زیادہ گہرا ہے اور غور طلب ہے۔ خدا ہر جگہ کا مطلب یہ ہونا چاہئے اور یہ ہے کہ جہاں بھی آپ نگاہ ڈالیں، جہاں بھی آپ غور کریں وہاں آپ کو خدا دکھائی دینا چاہئے اور اگر نہیں دیتا تو اس حصے میں آپ لقاء سے محروم ہیں۔ لقاء کے متعلق یاد رکھیں کہ عام انسانوں کی لقاء بھی آسان نہیں ہوا کرتی، ملنے کے باوجود آپ اجنبی رہا کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے آدمی ہیں جن کی مردم شناسی کی نظر کمزور ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کی صحبت میں وہ عمریں گزار دیتے ہیں لیکن وہ ان کو دکھائی نہیں دیتے۔ ایسے نامردم شناس انبیاء کے زمانے میں بھی پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی وحی لکھنے والا ایک کاتب اس قسم کا آنکھوں کا اندھا تھا۔ ظاہری طور پر فن کتابت سے واقف اور وحی لکھنے والا یعنی اس سے زیادہ مقدس اور کیا چیز لکھی جا سکتی ہے اور اس کے باوجود بصیرت سے عاری، آنحضرت ﷺ کو ظاہری آنکھ سے دیکھتا رہا لیکن باطن کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکا۔ یہ تو خیر بہت ہی بلند مقام کی بات ہے عام روزمرہ کے تجربے میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے آدمیوں سے آپ شناسا ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم جان چکے ہیں لیکن پھر وقت کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ مختلف زاویوں سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں مختلف مواقع پر اس سے واسطے پڑتے ہیں۔ اس کی اچھائی اور برائی کا مضمون آپ پر کھلتا چلا جاتا ہے اور بسا اوقات تو بیویاں بھی ہمیشہ خاوند سے واقف نہیں ہوا کرتیں اور پوری طرح واقف نہیں ہوا کرتیں اور بسا اوقات خاوند بھی اپنی بیویوں سے پوری طرح واقف نہیں ہوا کرتے۔ کئی عورتیں بے چاری ہمیشہ اس احساس میں گھل گھل کے زندگی بسر کرتی ہیں کہ ہمارے خاوند کو ہماری خوبیوں کا پتا ہی نہیں اور وہ سب کچھ فدا کرتی ہیں ان کے لئے اچھی سے اچھی زندگی کی راحتیں مہیا کرتی ہیں۔ لیکن وہ خاوند اندھی آنکھ سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس کو ان چیزوں کا ذوق ہی نہیں ہوتا۔

پس لقاء کا ذوق سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ اعلیٰ چیز کی لقاء کے لئے ذوق بلند کرنا پڑتا ہے اور

خدا تعالیٰ کی لقاء کے لئے لطیف ذوق کے سوا لقاء کا تصور ہی بالکل بچگانہ تصور ہے۔ پس خدا تعالیٰ کی ذات میں گم ہونے اور اس کی ذات میں سفر کرنے کے لئے اس کی تیاری بھی ضروری ہے اور وہ ذوق جو انسانوں کی نظر میں انسان کو ایک مرتبہ اور مقام عطا کرتا ہے۔ وہی ذوق ہے جو مزید لطافت اختیار کرتا ہے تو خدا کی نظر میں انسان کو ایک مرتبہ اور ایک مقام عطا کرتا ہے۔

پس جو لوگ اپنے انسانی واسطوں اور تعلقات میں لطیف مزاج پیدا نہیں کرتے، اچھے ذوق کا مظاہرہ نہیں کرتے، جن کی زبان گندی اور کثیف رہتی ہے، جو معاملات میں سختی کرتے ہیں اور ان کے اندر کوئی لچک نہیں پائی جاتی، ان کے اندر کوئی لطافت نہیں پائی جاتی، ان کا یہ توقع کر لینا کہ محض رمضان کی دعاؤں کے نتیجے میں خدا سے ان کی ملاقات ہوگی یہ ایک بچگانہ توقع ہے۔ اس میں یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ خدا ملاقات کرنے پر پابند ہے۔ وہ مالک ہے جب چاہے کوئی تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ لیکن جن کے لئے وہ لقاء کی عطا کا فیصلہ کرتا ہے ان کے ذوق میں ضرور تبدیلی پیدا کر سکتا ہے۔ پس اگر آپ کے ذوق میں وہ تبدیلی پیدا نہیں ہو رہی جو لقاء باری تعالیٰ کے لئے ضروری ہے تو آپ یہ سمجھیں کہ آپ دعا تو مانگ رہے ہیں لیکن آپ نے تیاری کوئی نہیں کی۔ ظاہری آنکھ سے جیسا کہ میں نے دیکھا ہے آپ دنیا کو دیکھتے چلے جاتے ہیں، صبح شام ظاہر ہوتے ہیں، موسم بدلتے ہیں۔ کسی جگہ خوبصورت نظارہ کرتے ہیں کسی جگہ ایک مکروہ منظر دیکھتے ہیں ان تمام امور سے اگر نظر تھرکتی ہوئی چلی جائے اور خدا تعالیٰ سے تعلق قائم نہ کرے اور خدا تعالیٰ کا خیال دل میں نہ آئے تو آپ نے ظاہری نظارے تو بہت کئے لیکن اس کے باوجود خدا کو نہ دیکھا۔ ایسا ہی ہے جیسے بعض انسانوں کے ساتھ آپ رہے لیکن ان سے آپ کو کوئی شناسائی نصیب نہیں ہوئی۔ پس پہلے تو آفاقی نظر سے بھی خدا کو دیکھنے اور اس کی لقاء کی کوشش شروع کریں۔ یہ ایک بہت سطحی لقاء ہے لیکن اس لقاء کا لطف آپ کے اندر مزید ذوق پیدا کرے گا اور اس ذوق کے نتیجہ میں پھر آپ کو گہری روحانی لقاء بھی نصیب ہوگی۔ یہ جو میں نے کیفیتیں بیان کی ہیں، ان کیفیتوں کو میں نے آفاقی اس لئے کہا کہ آپ باہر تمام کائنات میں جب بھی نظر ڈالتے ہیں کوئی نہ کوئی ایسا منظر ضرور دکھائی دیتا ہے جس کے ساتھ آپ کو خدا شناسی ہو سکے لیکن اس کے لئے غور

اور فکر اور تدبر کی عادت ضروری ہے۔ اس کے لئے اولی الالباب ہونا ضروری ہے۔
اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ (آل عمران:۱۹۱) یقیناً دن کے الٹنے پلٹنے میں، موسموں کے بدلنے میں نشانات ہیں مگر صاحب عقل لوگوں کے لئے وہ جوان چیزوں کو دیکھتے ہیں تو کیا کرتے ہیں۔ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ اللہ کو یاد کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا نمازوں کا انتظار نہیں کرتے کہ نماز پڑھیں گے تو یاد کریں گے بلکہ جس حالت میں بھی وہ کائنات کے مناظر دیکھتے ہیں، اسی حالت میں خدا تعالیٰ کو یاد کرنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ جو کیفیت ہے یہ خدا تعالیٰ نے اس رنگ میں بیان فرمائی جیسے کوئی خودرو بہتا ہوا پانی ہو۔ اس میں جدوجہد، کوشش، محنت کا دخل نہ ہو بلکہ طبیعت کی ایک عادت بن چکی ہو۔ پس اس پہلو سے آفاق کا مطالعہ بہت ہی ضروری ہے کہ آپ کی عادت بن جائے کہ آپ کو اپنے گردوپیش میں خدا تعالیٰ دکھائی دینے لگے اور اس کی یاد دل میں پیدا ہو۔ پھر اندرونی مطالعہ ہے جو انسان اپنے دل میں ڈوب کر، اپنے نفس کی شناسائی حاصل کر کے خدا تعالیٰ کو پاتا ہے۔

اس ضمن میں بھی مطالعہ کی بہت سے قسمیں ہیں۔ ایک تو اپنے نظام کو جو ظاہری نظام ہے، اس کو دیکھنا اور اس پر غور کرنا اور اس پر یہ احساس کرنا کہ خدا تعالیٰ نے کتنا حیرت انگیز جسمانی نظام انسان کو بخشا ہے اور کتنی باریک نظر سے ہماری راحتوں کا سامان مہیا فرمایا ہے۔ یہ ایک ایسا مضمون ہے جس میں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، سطحی بھی ہے لیکن اس میں گہرائی بھی بہت ہے۔ جتنا سائنس دان جستجو کرتا چلا جاتا ہے، اس کو انسانی جسم کے اندر حیرت انگیز نظم وضبط اور تخلیق کے ایسے عظیم کارنامے دکھائی دینے لگتے ہیں کہ اس کی روشنی سے اس کی نظر خیرہ ہو جاتی ہے اور جتنا آگے سفر کرتا ہے اتنا ہی مزید اس کو اور اس کے پیچھے، کچھ اور اس کے پیچھے کچھ اور دکھائی دینے لگتا ہے لیکن یہی مطالعہ چونکہ ایک اندھی آنکھ کا مطالعہ ہے یعنی روحانیت سے اندھی ہے۔ وہ اسے خدا کی طرف نہیں لے کے جاتا لیکن اس کے برعکس جو اولی الالباب ہیں، وہ جب اپنی ذات پہ غور کرتے ہیں۔ اپنے روزمرہ کے رہن سہن پہ، اپنی بھوک پر، اپنی پیاس پہ ان سب زہروں پر جو ہر وقت جسم سے مختلف

صورتوں میں خارج ہوتے رہتے ہیں، جن کے بند ہونے پر جسم ایک عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ان سب کیفیات پر غور کے نتیجے میں ان کو اپنی کائنات کے اندر بھی خدا دکھائی دینے لگتا ہے۔ اپنے وجود کے ذرے ذرے میں خدا دکھائی دینے لگتا ہے۔ بسا اوقات ایسے لوگوں سے گفتگو ہوئی اور ہوتی ہے جو خدا کی ہستی کے قائل نہ ہوں اور مختلف رنگ میں ان کو سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بعض دفعہ جو انسانی جسم کا شعور رکھنے والے لوگ ہیں جب وہ ملتے ہیں تو میں نے ان سے مثلاً یہ سوال کیا کہ کبھی آپ نے اپنے اوپر غور بھی کیا کہ آپ ہیں کون؟ آپ کے اندر جو یہ شعور ہے کہ میں ہوں۔ یہ فزکس کا کوئی قانون ہے یا کیمسٹری کا قانون ہے وہ میں کیا چیز ہے جو بول رہی ہے۔ آپ کو دکھ کیوں پہنچتا ہے؟ حالانکہ دکھ محسوس کرنا اور خوشی محسوس کرنا اس کے لئے کوئی فزیکل اور کیمیکل Justification ہونی چاہئے۔ کوئی اس کے لئے جواز ہونا چاہئے۔ میں نے کہا میں نے آپ کو بری نظر سے دیکھ لیا آپ تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ کون سا قانون ہے فزکس کا اور کیمسٹری کا یا کوئی اور قانون جس کو آپ مادی زندگی میں دیکھ سکتے ہیں کہ ایسی حرکتیں اس سے پیدا ہوتی ہوں؟ میں نے آپ کے اوپر محبت کی نظر ڈالی اگر آپ کو مجھ سے تعلق ہے تو آپ کا دل خوش ہو گیا۔ یہ کیا مطلب ہے اس کا؟ یہ کیا چیز ہے؟ ایک معمولی سی بات پر بھی آپ اپنی کیفیتوں پر غور کرنا شروع کریں تو آپ کو خدا کا حیرت انگیز ہاتھ دکھائی دینے لگے گا۔ پھر میں نے بعض دفعہ ان سے پوچھا کہ اپنی آنکھ پر غور کریں۔ آنکھ کا ارتقاء کیسے ہوا؟ ایک مکمل کیمرے سے بڑھ کر خوبصورت سیٹ ہے جو خدا نے آپ کو عطا کیا ہے اور تدریج اس میں ممکن ہی نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس کے تمام اجزاء اکٹھے پیدا ہوئے ہوں یہ ممکن نہیں ہے کہ Retina پہلے Automatically پیدا ہو جائے اور بغیر کسی مقصد کے اتفاقاً پیدا ہو جائے اور Lens ابھی نہ بنا ہو اور Lens بھی پھر اپنی ذات میں جو مختلف اعضاء رکھتا ہے اور اس کے اردگرد جو مسلز کا نظام ہے جو اس کو کنٹرول کرتا ہے وہ اگر کام نہ کرے تو Lens کا کوئی بھی معنی نہیں ہے۔ وہ مسلز جب بڑھاپے میں ڈھیلے پڑ جاتے ہیں تو آپ کو انہی آنکھوں کے ساتھ نظر آنا بند ہو جاتا ہے۔ آپ اپنے آپ کو ایک آنکھ پر Adjust ہی نہیں کر سکتے، میں نے کہا آپ غور کر کے دیکھیں۔ اگر آپ کے اندر کوئی صداقت ہے تو آپ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ ایک ایسا خالق ہے جو ماوراء ہے میں نہیں ہوں۔ اگر میں اپنا خالق آپ ہوتا تو مجھے تو ان سب باتوں کا علم

ہونا چاہئے تھا کیونکہ یہاں ایک باشعور وجود کا ہونا ضروری ہے جب تک شعور نہ ہو اس وقت تک یہ چیزیں از خود اتفاقاً بن نہیں سکتیں۔

پس اگر آپ ارتقاء پر غور کریں تو جتنا بھی غور کریں گے آپ کو معلوم ہوگا کہ ارتقاء اندھا نہیں ہے بلکہ آنکھوں والا بینا ارتقاء ہے اور اس کو باہر سے بینائی نصیب ہوئی ہے۔ اپنی بینائی سے وہ نہیں چلا۔ پس ایسا ارتقاء ہے جو چلتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ پوری بینائی رکھتا ہے۔ جب اس کو آپ غور سے دیکھتے ہیں تو بے آنکھوں کے ہے تو کیا مطلب بنے گا؟ اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ کوئی آنکھوں والا اس کو ہاتھ پکڑ کے چلا رہا ہے۔ پس جو بینا ارتقاء دکھائی دیتا ہے وہ سائنس دان کی زبان میں بینا نہیں ہونا چاہئے۔ اس کی کوئی آنکھ نہیں ہے اور باوجود اس کے اس کی حرکت، اس کا رخ، اس کے ایک جزو کا دوسرے جزو سے اجتماعی تعلق۔ یہ ساری باتیں نظر کی محتاج ہیں جو ظاہری طور پر اس کو میسر نہیں لیکن اس کی تمام ادائیں، اس کا رخ اس کے سارے اطوار ایک بینا وجود کے سے ہیں تبھی قرآن کریم نے اس سوال کو اٹھاتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم خود اپنے خالق ہو؟ عقل کے اندھو غور تو کرو تم تو اپنی کسی چیز کے بھی خالق نہیں ہو۔ معمولی سا نظام اس طرح بگڑے کہ جو چیز خدا کی طرف سے عطا کردہ ہے وہ مر جائے تو ساری انسانی ترقیات مل کر جو طاقت پیدا کرتی ہیں وہ بھی وہ چیزیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکتیں۔ کئی بے اولاد لوگ ہوتے ہیں میرے پاس علاج کے لئے اکثر آتے رہتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ اگر ان کے خلیے مر چکے ہوں تو لازماً ہاتھ کھینچنا پڑتا ہے کیونکہ موت کا کوئی علاج نہیں اور جو چیز خدا نے رکھی تھی اور اب نہیں رہی۔ اس کو دنیا کی کوئی طاقت کھینچ کر دوبارہ لا نہیں سکتی۔

قرآن کریم انسان کی اس بے اختیاری اور مجبوری کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ تم تو اتنے کمزور ہو کہ ایک معمولی سی مکھی جو چیز تم سے چھین لے، تم اسے اسی حالت میں واپس لوٹا نہیں سکتے۔ اس کے اندر جو تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور جس طرح وہ اس کے نظام میں جذب ہو جاتی ہے۔ تمہارے ہاتھوں سے گئی تو ہمیشہ کے لئے چلی گئی۔

پس خدا تعالیٰ کی لقاء تو ظاہری آنکھ سے بھی ہو سکتی ہے ان معنوں میں کہ اس آنکھ سے دیکھ کر آپ مزید غور کریں اس کی کنہ میں داخل ہوں۔ اس کی تہہ میں ڈوبیں اور رفتہ رفتہ آپ کو ایک عظیم جہان دکھائی دینے لگے گا۔ جس میں خالق اپنی تخلیق کے ذریعہ آپ پر ظاہر ہوگا۔ جس طرح مصور اپنی

تصویر کے ذریعہ کسی پر ظاہر ہوتا ہے پس تصویریں تو اتنی بے انتہاء ہیں۔ ہماری ذات کے اندر بھی ہمارے گردوپیش میں بھی کوئی لمحہ ایسا میسر نہیں آسکتا جس میں انسان کے سامنے خدا کی کوئی تصویر جلوہ گر نہ ہو۔ پس نہ کوئی جگہ اس سے خالی ہے نہ کوئی لمحہ وقت اس سے خالی ہے، وہ تمام کائنات پہ محیط ہے، ہر جگہ ہے ان معنوں میں ہے کہ دیکھا جاسکتا ہے اور ہر لمحہ دیکھا جاسکتا ہے۔ کوئی ایک لمحہ بھی خدا کی ذات سے عاری نہیں ہوسکتا۔

پس لقاء کے مضمون کو سمجھ کر اپنے اندر شعور پیدا کرنا یہ لقاء کی طرف پہلا قدم ہے۔ پھر جیسا کہ میں نے بیان کیا۔ اپنے اندر ذوقی لطافتیں پیدا کریں تا کہ یہ دیدار جو ہے یہ محض ایک غائب کا دیدار نہ ہو بلکہ ایک ایسے حاضر کا دیدار ہو جو دیکھ کر پھر آنکھوں سے آنکھیں ملائے ورنہ یہ سارے نظارے یوں ہوں گے جیسے آپ کسی چیز کا حسن دیکھ رہے ہیں لیکن علم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ وہ نظر آنے کے باوجود بھی پردوں میں رہے گی۔ لیکن اگر وہ صاحب بصیرت ہو اور آپ اسے دیکھ رہے ہوں اور نظر، نظر سے مل جائے، پھر وہ لقاء میں ایک اور مضمون داخل ہو جاتا ہے۔

پس خدا تعالیٰ تو ایک ایسا وجود ہے جو بصیرت عطا کرنے والا اور بصارت بخشنے والا ہے۔ وہ بے بصیرت تو نہیں، بے بصارت تو نہیں۔ پس اگر اس سے لقاء کرنی ہے تو ان نظاروں کو پھر مقابل پر پیدا ہونے والے نظاروں کے ساتھ ملا کر دیکھیں تب لقاء کا مضمون آگے بڑھے گا اور اس میں ایک نیا لطف پیدا ہو جائے گا۔ ایک ایسا آدمی جو غافل سویا پڑا ہوا گر اندھا نہ بھی ہو، آپ اس کے حسن کا نظارہ کرتے چلے جائیں اس کے باوجود آپ کو پوری تسکین نصیب نہیں ہوسکتی۔ ہاں جب آنکھیں کھولے پھر یہ فیصلہ ہوگا کہ آپ نے مزید لطف حاصل کرنا ہے یا آپ کے نصیب میں بے قراری لکھی گئی ہے۔ اگر ان آنکھوں میں پیار ہے، اگر ان آنکھوں میں محبت ہے، شناسائی ہے، تعلق ہے تو وہ حسن کا نظارہ اچانک ایسی عظیم کیفیتوں میں تبدیل ہو جائے گا کہ پہلے نظارے کو اس کے ساتھ کوئی بھی نسبت نہیں رہتی اور اگر اس میں نفرت کے آثار پائے جاتے ہیں بیزاری کے آثار پائے جاتے ہیں تو وہ جو پہلا لطف تھا وہ بھی ہاتھ سے گیا۔

پس خدا تعالیٰ ایک باشعور زندہ ہستی ہے جو زندگی کا سرچشمہ ہے اور شعور کا سرچشمہ ہے۔ فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ (الانعام: ۱۰۴) محض اپنی آنکھ

سے اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہاں اس کی آنکھ تمہیں پاتی ہے۔ وہ تم تک پہنچتا ہے۔ پس ان سب نظاروں کے ذریعے لقاء کا ایک قدم تو لازماً اٹھ چکا ہوتا ہے لیکن جب تک وہ اس قدم میں تبدیل نہ ہو کہ خدا میں حرکت پیدا ہو جائے اور وہ آپ کی طرف آئے ، اس وقت تک لقاء کا مضمون پورا نہیں ہو سکتا۔ پس آنحضرت ﷺ نے اس دوہری حرکت کو ہی لقاء قرار دیا ہے۔ فرمایا! بندہ خدا کی طرف ایک قدم اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دس قدم اس کی طرف آتا ہے۔ وہ چل کر اس کی طرف جاتا ہے تو وہ دوڑتا ہوا اس کی طرف آتا ہے۔ (مسلم کتاب الذکر حدیث نمبر: ۴۸۵۰) پس پاتا وہی ہے جو تیز ہو۔ جو سست ہو اس کی طرف پانے کا مصدر منسوب نہیں ہو سکتا۔ جو چیز کھڑی ہو آپ اسکی حرکت کرتے ہیں۔ آپ اس کو پاتے ہیں اور جو چیز کھڑی ہے آپ اس تک پہنچیں گے تو آپ ہی پائیں گے وہ تو حقیقت میں آپ کو نہیں پاتی اور رفتاروں کا موازنہ بھی دراصل Relativity کے تصور میں ایسی ہی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ جو چیز ہلکی رفتار سے کسی طرف بڑھ رہی ہے اور اس کے مقابل پر کوئی چیز تیز رفتار سے اس کی طرف آ رہی ہے تو جو تیز رفتار سے آتی ہے وہ پاتی ہے نہ کہ ہلکی رفتار والی۔ تو خدا تعالیٰ ہی ہے۔ جو دراصل لقاء کی تمنا رکھنے والے کو ہمیشہ پاتا ہے اور اس کے لئے جب تک آپ کو مقابل پہ وہ حرکت دکھائی نہ دے اس وقت تک آپ کو لقاء کا مزہ صحیح معنوں میں نہیں آ سکتا، ایک فلسفیانہ لقاء ہوگی۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں۔

؎ یہ تو خود اندھی ہے گر نیر الہام نہ ہو (کلام محمود صفحہ: ۵۲)

کہ عقل کے ذریعے بھی تمہیں لقاء ملے گی مگر نیر الہام کے بغیر پوری روشنی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اس طرف ہے کون؟ اس کا جواب جب تک اس طرف سے نہ آئے محض یک طرفہ نظارے سے آپ تسکین نہیں پا سکتے۔ بعض کہانیوں میں ہم نے پڑھا ہوا ہے کہ بعض آباد کے آباد شہر لوگ چھوڑ کے چلے جایا کرتے ہیں اور ان میں کوئی وجود نہیں ہوتا۔ یہ کہانیوں کا قصہ تو بچپن کی باتیں تھیں۔ اب ایسے شہر دریافت ہوئے ہیں جنوبی امریکہ میں جہاں بالکل یوں لگا ہے کہ اس کہانی کا مضمون صادق آتا ہے۔ بعض شہر دریافت ہوئے ہیں جن میں کوئی تباہی نہیں آئی، کوئی جنگ کے آثار نہیں ہیں مگر کوئی نہیں سمجھ سکا اب تک کہ کون سی بلا نازل ہوئی جس کے نتیجے میں لوگ رستہ بستہ شہر چھوڑ کر الوداع کر گئے اور اس طرح شہر کی چیزیں پڑی کی پڑی رہ گئیں۔ کیا پتہ کون تھے کہاں چلے گئے اور پھر واپس

آنے والے بھی ہیں کہ نہیں یعنی انہوں نے تو بہر حال واپس نہیں آنا جو مدتوں پہلے گزر گئے لیکن خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق یکطرفہ نظارہ ایسی ہی کیفیت پیدا کرتا ہے ابہام کی اور تفکرات کی اور سوچ کی کہ وہ کون ہے کہاں ہے؟ ہے بھی کہ نہیں؟

پس وہ قومیں جو دنیا دار ہو گئیں ان کو اگر اتنی بصیرت نصیب ہوئی کہ انہوں نے خدا کی ہستی کے آثار دیکھے ان میں سے کئی فلاسفر ایسی کتابیں لکھتے ہیں کہ خدا Dead ہے یعنی ہوگا ضرور ہم انکار نہیں کر سکتے لیکن اب نہیں رہا وہ قومیں جو الہام کی منکر ہو جاتی ہیں ان کا بھی خدا مر جاتا ہے۔ پس اگلا قدم لقاء کا بہت ضروری ہے اور اس کے لئے اپنے ذوق کی لطافت پیدا کرنا ضروری ہے۔ اپنے گھر کو سجانا ضروری ہے۔ عام معمولی مہمان کے لئے بھی آپ تیاری کرتے ہیں، کچھ نہ کچھ حسب توفیق اپنے گھر کو سجاتے ہیں، اگر غریب بھی ہو تو کچھ کھانے کا معیار بلند کر لیتا ہے۔ جس حد تک بھی اس کو توفیق ہو تو جب خدا کا نظارہ کیا اور دل یہ چاہا کہ وہ آپ کی ذات میں داخل ہو جائے تو اس کے لئے آپ کو ضرور تیاری کرنی ہوگی اور اس تیاری کا پہلا قدم اعلیٰ اخلاق ہیں۔

اعلیٰ اخلاق کے بغیر حقیقت میں خدا کی لقاء ممکن نہیں ہے۔ جزوی لقاء تو ہو سکتی ہے کیونکہ لقاء کے بعض نظارے جزوی اصلاح سے بھی تعلق رکھتے ہیں لیکن یہ ایک اتفاقی واقعہ، اتفاقی حادثے کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ **وہ لقاء جو دائمی لقاء ہے جو مسلسل خدا کی ذات میں آگے بڑھنے کا نام ہے وہ لقاء اخلاقی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں ہے۔** آپ کو کسی انسان کا حسن دل لبھانے والا دکھائی دے۔ آپ کے اندر ایک کشش پیدا ہو جائے۔ آپ جب اس سے ملتے ہیں تو کچھ دیر کے بعد آپ محسوس کرتے ہیں کہ وہ بات نہیں۔ ہمیں خواہ مخواہ کی کچھ دلچسپی پیدا ہو گئی تھی، ظاہری شکل وصورت ہے مگر کوئی ایسے اخلاق نہیں ہیں کہ جو اس کشش کو دوام بخش سکیں جو پہلے پیدا ہوئی تھی۔ بعض دفعہ تو معمولی سی بات سے بھی ساری کشش کافور ہو کر اڑ جاتی ہے۔ انگلستان کے ایک مصنف ہیں جنہوں نے ایک واقعہ بیان کیا کہ میں ایک دفعہ ایک دکان میں داخل ہوا اور وہاں ایک ایسی حسینہ مجھے دکھائی دی جس کو دیکھ کر مجھے یقین آ گیا کہ ایک نظر میں محبت ممکن ہے اور چند لمحوں بعد اس سے ملاقات کا بھی ایک سامان پیدا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ سے کوئی بنڈل تھا جو گر گیا۔ میں نے دوڑ کر لپک کر اس بنڈل کو اٹھایا اور اس کے سپرد کیا۔ اس نے جس Flat آواز میں شکریہ ادا کیا وہ اس طرح جذبات سے عاری، خالی

اور کھوکھلی آواز تھی کہ مجھے دوسرا یقین یہ ہو گیا کہ ایک لمحے میں محبت غائب بھی ہو سکتی ہے یعنی اگر لمحے میں پیدا بھی ہو سکتی ہے تو پھر ایک لمحے میں ختم بھی ہو سکتی ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ انسانی تجارب میں یہ بات آتی ہے کہ محض حسن کا نظارہ کافی نہیں ہوا کرتا جب تک گہرا حسن نہ ہو اور خدا تعالیٰ کو آپ ایسا بے ذوق سمجھیں **نعوذ باللہ من ذلک** کہ آپ کے اندر حسن کے کوئی آثار پائے نہ جائیں اور وہ پھر بھی آپ کا دوست بنا پھرتا رہے یہ نہیں ہو سکتا۔ جس قسم کی ذات سے تعلق قائم کرنا ہے اپنی توفیق کے مطابق کیونکہ یہاں اپنی توفیق شرط ہے۔ وہ لامحدود ہے اور ہم محدود ہیں اس لئے مجبوری ہے اپنی توفیق کے مطابق کچھ تو زینت اختیار کریں۔ غریب دلہنیں بھی دولہا کے گھر سج کے جایا کرتی ہیں۔ ایک پنجابی شاعر، صوفی شاعر ہیں ان کا پنجابی شعر تو مجھے یاد نہیں لیکن مضمون بڑا پیارا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ساری رات میں ناچ کے اپنے روٹھے یار کو مناؤں۔ اور مراد یہ ہے کہ خدا کے حضور گریہ وزاری کروں عبادت کروں تو ہر شخص اپنی توفیق کے مطابق اپنے اندر کچھ زینت ایسی پیدا کر سکتا ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے پیار اور محبت کی نظر اس پر پڑے **اور وہ زینت کی تکمیل کا انتظار نہیں کرتا۔ یہ اس کی رحمانیت ہے بلکہ زینت کے آغاز پر ہی وہ اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔** اس لئے ہر وہ شخص جو لقائے باری تعالیٰ کی خاطر اپنی ذات میں کوئی اصلاح پیدا کرتا ہے، اپنے اخلاق کو حسن عطا کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ پہلے سے بہتر میں خدا کے وصال کے قابل بن جاؤں۔ ایسے شخص پر پھر خدا خود نازل ہوتا ہے اور اس کے نزول کے ساتھ پھر باقی اصلاح ہونی شروع ہو جاتی ہے۔

پس یہ جو مضمون ہے اس کو سمجھتے ہوئے رمضان شریف میں اپنے اوپر غور کریں۔ بعض دفعہ خدمت سلسلہ کرنے والے جو خط لکھتے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی بہت ہی اصلاح کی گنجائش ہے اور بہت تکلیف دہ حالت ہے۔ میں نے ایک لمبا سلسلہ خطبات کا شروع کیا تھا، مختلف اخلاق پر زور دینے کے لئے، مالی لین دین، بیویوں سے سلوک، خاوندوں سے سلوک، دوستوں سے گفتگو میں، طرز تکلم میں اصلاح وغیرہ وغیرہ وہ اگلی صدی میں داخل ہونے کا بہانہ سامنے رکھ کر تا کہ اس طرح جماعت میں ایک ولولہ پیدا ہو جوش پیدا ہو، میں نے وہ باتیں بیان کیں لیکن حقیقت میں تو ان باتوں کا صدیوں سے تعلق نہیں تھا۔ وہ ایک دائمی اہمیت، دائمی حیثیت کی باتیں ہیں۔ حقیقت میں ان باتوں کا

صدیوں سے نہیں بلکہ ہر آنے والے لمحے سے تعلق ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی وہ لقاء جو زبردستی کی لقاء ہوگی، ہمارا اس میں اختیار نہیں۔ ہم نے بہر حال لوٹ کے اس کے پاس جانا ہے۔ وہ تو صدیوں کا انتظار نہیں کیا کرتی۔ اس میں تو لمحے لمحے کی بھی ہمیں خبر نہیں کہ اب ہوگی یا اگلے لمحے ہوگی۔ پس وہ ساری باتیں ایسی ہیں جن کا لمحات سے تعلق ہے اور ہر آنے والے لمحے سے تعلق ہے۔ ان باتوں میں اصلاح کریں اور پھر دیکھیں کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کی لقاء زیادہ آسان ہونی شروع ہو جائے گی۔ اور بعض دفعہ اخلاق کی ترقی کے ساتھ انسان جزوی طور پر خدا کو اس طرح پانا شروع کر دیتا ہے کہ اس کو پھر چسکا پڑ جاتا ہے پھر وہ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے پھر اور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور جو لقاء کا لطف ہے وہی اگلے قدموں کے لئے غذا بن جاتا ہے لیکن اگر وہ لطف ہی نصیب نہ ہوا ہو تو اگلے قدم کے لئے طاقت نہیں ہوتی بلکہ قدم واپس مڑتے ہیں اور دنیاوی مادی لذتوں کی طرف جھکتے ہیں اور انسان دن بدن اپنے ذوق میں زیادہ سفلہ پن محسوس کرنے لگتا ہے لیکن ایسے بھی ہیں جو کوئی محسوس نہیں کرتے ان کو پتا بھی نہیں لگتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

پس خدا کی طرف سفر کے لئے ذوق کا لطیف تر ہوتے چلے جانا نہایت ضروری ہے پس اپنے ماحول میں، اپنے بچوں سے گفت وشنید میں اعلیٰ ذوق کا مظاہرہ کریں اپنی بیویوں سے گفت وشنید میں اعلیٰ ذوق کا مظاہرہ کریں۔ بیویاں خاوندوں سے گفت وشنید میں اعلیٰ ذوق کا مظاہرہ کریں۔ بھائی بہنوں سے، دوستوں سے بے تکلفی کے باوجود ایک اخلاق کا پاس ضرور رکھا کریں کیونکہ وہ بے تکلفی جو بدتمیزی پر منتج ہو جائے، وہ بے تکلفی جس سے کلام میں بدخلقی پیدا ہو، وہ بے تکلفی حقیقت میں ایک مہلک زہر ہے۔ وہ دوستیوں کو تباہ کرنے والی بے تکلفی ہوا کرتی ہے، دوستیوں کو بڑھانے والی نہیں ہوا کرتی اور ہمارے ملک میں خصوصیت سے یعنی پاکستان میں اور ہندوستان میں بھی اب یہ کثرت سے رواج ہو رہا ہے کہ بے تکلفی اور دوستی کا اظہار گندی گالیوں سے کرنا ہے اور یہ گندی گالیاں پھر آہستہ آہستہ ایسی عادت بن جاتی ہیں کہ اس میں انسان کو شعور ہی نہیں رہتا کہ میں کہہ کیا رہا ہوں اور کر کیا رہا ہوں۔

ہمارے ایک خادم سلسلہ نے خدام الاحمدیہ کے اصلاحی دوروں کے سلسلہ میں حیدر آباد ڈویژن کا اور بعض دوسرے علاقوں کا سفر کیا تو ان کا بڑا تکلیف دہ خط موصول ہوا۔ انہوں نے لکھا کہ

ماحول کو تو میں جانتا ہی ہوں کیا حال ہو چکا ہے؟ مجھے تعجب ہوا کہ بعض دیہاتی احمدی جماعتوں میں بھی زبان کی صفائی کا خیال نہیں ہے۔ وہ عام روزمرہ گالیاں دینے لگ گئے ہیں۔ محاورے کے طور پر ہل چلا رہے ہیں تو اور کچھ نہیں تو بیل کو ہی ساتھ گالیاں دیتے جاتے ہیں۔ کس قدر بے وقوفی ہے؟ کہتے ہیں کہ ایک فرق میں نے ضرور دیکھا کہ اگر باقی معاشرے کی اصلاح کے لئے میں عمر بھی وقف کر دیتا تو کسی نے میری بات نہیں ماننی تھی۔ میں عمر کا چھوٹا ہوں، ان سے ناواقف بھی تھا جن کے پاس پہنچا لیکن جب میں نے ان کو سمجھایا کہ تم ہو کون اور تم سے کیا توقعات ہیں تو ہر ایک نے فوری طور پر مثبت ردعمل دکھایا اور پھر کہتے ہیں کہ میں نے دوروں میں دوبارہ جا کر رابطے کئے تو مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ وہ محض ایک فرضی ردعمل نہیں تھا بلکہ واقعۃً ان کے اندر تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ پس احمدیت کی مٹی میں یہی تو مزہ ہے کہ واقعتہً وہ مٹی ہے جو نم ہو تو بہت زرخیز ہے۔ اس وقت احمدی معاشرے کی اصلاح مشکل نہیں ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نے دلوں میں ایک ایسی نرمی پیدا کر دی ہے اور وہ ملائمت پیدا کر دی ہے جس کے نتیجے میں جس طرح آپ موم کو جس طرح چاہیں ڈھال لیں، یہ مٹی نیکی میں ڈھلنے کے لئے موم کی طرح اثر رکھتی ہے اور بدی میں ڈھلنے کے لئے سخت ہو جاتی ہے۔ بیک وقت اس مٹی میں یہ دو خصوصیات موجود ہیں۔ خدا ان خصوصیات کو ہمیشگی کی زندگی دے جس قوم میں یہ خصوصیات پائی جائیں ان کی اصلاح آسان ہو جایا کرتی ہے اور بہت ہی ہوا کے رخ پر چلنے والی بات ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کے ہاتھوں میں ڈھلنے والی مٹی کی یہ تعریف فرمائی: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح: ۳۰) یہاں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ میں جو سختی بتائی گئی ہے، دراصل کفار کی عادات کے خلاف سختی مراد ہے، کفر کے خلاف سختی ہے۔ جہاں تک بدی کا تعلق ہے وہ بدی ان کے اوپر اثر ڈالنے کی کوشش کرتی ہے اور نامراد رہتی ہے۔ وہ ان کو اپنے رنگ میں ڈھال نہیں سکتی لیکن جہاں مومنوں کے اثر قبول کرنے کا معاملہ ہے۔ فرمایا رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ وہ نہایت ہی نرم اور بہت ہی تعاون کرنے والے اور جھکنے والے اور ان کے سامنے مٹ جانے والے لوگ ہیں۔ پس جو کوشش بھی آپ آج جماعت احمدیہ میں اصلاح کی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ کا ردعمل عام دنیا کے ردعمل کے مقابل پر ایک بالکل جداگانہ ردعمل ہے۔ محض باشعور طور پر محنت کی ضرورت ہے۔

پس ہمارے نظام سے تعلق رکھنے والے جتنے بھی عہدیداران ہیں خواہ وہ خدام الاحمدیہ سے تعلق رکھتے ہوں، لجنہ سے تعلق رکھتے ہوں، انصار سے تعلق رکھتے ہوں اور نظام جماعت کے دوسرے عہدیداران وہ ان باتوں کا خیال کریں اور اس رمضان میں خصوصیت سے ہر جگہ یہ شعور بیدار کریں کہ ہم نے خدا سے لقاء کی دعائیں مانگنی ہیں اور لقاء کی تیاریاں کرنی ہیں اور اس کی لقاء کی خاطر اپنے گھروں کو سنوارنا ہے۔ اپنے صحنوں کو جھاڑو دینے ہیں اور اپنی دیواروں کو دھونا اور صاف کرنا اور اپنے فرشوں کو مانجھنا ہے۔ جس طرح ایک اچھے مہمان اور پیارے مہمان کی تیاری ہر گھر کرتا ہے خواہ وہ غریب ہو، خواہ امیر ہو۔ ہم نے اپنی توفیق کے مطابق اپنے گھر کو خدا کے لئے سنوارنا ہے تا کہ وہ ایک معزز مہمان کی طرح یہاں نازل ہو۔

کئی دفعہ اگر وقت نہ بھی ہو اور پتا چلے کہ کوئی شخص بیچارہ تیاری کر کے بیٹھا ہوا ہے تو انسان مجبوراً بھی وہاں چلا جاتا ہے۔ میں نے سفروں کے دوران دیکھا ہے وقف جدید، انصار اللہ، خدام الاحمدیہ کے دوران میں نے پنجاب میں بڑے سفر کئے ہیں۔ بعض دفعہ ہمارے دور میں ایک گاؤں نہیں ہوا کرتا تھا اور ان کو پتا ہوتا تھا کہ یہ دورے میں شامل نہیں ہے۔ گاؤں والے پہنچ جاتے تھے۔ کہتے تھے کہ جی ہم تو تیاری کر کے بیٹھے ہیں کیا کریں؟ اس میں محبت کا ایک ایسا جذبہ پایا جاتا ہے کہ دوسرے کو بے اختیار کر دیتا ہے جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو جی تیار بیٹھے ہیں تو پھر انسان کیسے کہہ دے اچھا تیار بیٹھے رہو ہم نہیں آسکتے۔ مجبوراً وقت نکالنا ہی پڑتا ہے کچھ وہاں سے پھر وقت کھینچا، کچھ کہیں سے کھینچ کر لمبا کیا۔ بہر حال وقت دینا پڑتا ہے تو اگر انسان میں ایسا جذبہ ہے احسان مندی کا، تو خدا تعالیٰ نے تو ہمیں احسان سکھایا ہے۔ وہ ہمارے احسان کا بھی خالق ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ آپ خدا کے لئے کچھ تیاری کریں اور خدا کی طرف سے کورا سا جواب مل جائے کہ میرے پاس تمہارے لئے وقت نہیں ہے کہ تم پوری طرح صاف نہیں ہوئے۔ پس صاف ہونے کی کوشش شروع کر دیں پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح آپ پر اپنی رحمت کا جلوہ دکھاتا ہے وہ جھکا کرتا ہے۔ آپ میں اٹھنے کی طاقت نہیں ہے اور حقیقت میں معراج بھی خدا کے جھکنے کا ہی نام ہے اور معراج کا جو عرش ہے وہ حقیقت میں انسان کے دل کا عرش ہے۔ پس آپ لقاء باری تعالیٰ کی تیاری اس طرح تفصیل سے اس مضمون کو سمجھنے کے بعد کچھ نہ کچھ ضرور شروع کر دیں اور آج کے بعد جب رمضان ختم ہو تو

دیکھیں کہ آپ نے کتنا خدا کی ذات میں سفر کیا ہے۔

یاد رکھیں وہی سفر سفر ہوگا جو رمضان کے بعد بھی جاری رہے گا۔ وہ سفر جہاں آپ پھسل کر واپس آجائیں وہ سفر سفر نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کوششوں میں انسان پھسلتا رہے لیکن جب ایک مقام کو حاصل کر لیتا ہے تو پھر اس کے بعد پھسلنا نہیں ہونا چاہئے۔ ہم نے کئی دفعہ بچپن میں ایسے Poles پر چڑھنے کی کوشش کی جس میں انسان پھسل جاتا ہے۔ بعض درختوں پر انسان چڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور پھسل جاتا ہے۔ کیڑیاں بھی دیواروں پر چڑھتی ہیں اور پھسل جاتی ہیں لیکن اگر انسان عزم جاری رکھے تو بار بار پھسلنے کے باوجود پھر ایک موقعہ ایسا نصیب ہوتا ہے جب انسان اس چوٹی کو پالیتا ہے جس کی طرف وہ حرکت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب اس درخت پر چڑھ کر اس چوٹی پر بیٹھتا ہے تو پھر کوئی پھسلنا نہیں ہے۔ پھر اپنی مرضی سے نیچے اترے تو اترے۔ ایک اور ہی لطف اس وقت فتح کا محسوس ہو رہا ہوتا ہے کہ ہاں اب میں مقام محفوظ پہ پہنچ گیا ہوں۔ پس اس لقاء کو جو اس رمضان کے دوران حاصل ہو، اس پیمانے پہ جانچیں اور دیکھیں کہ آپ نے جو کچھ خدا کا پایا تھا، رمضان گزرنے کے بعد بھی ہاتھ میں رہا یا نہ رہا۔ اگر نہیں رہا تو پھر میرا آپ کو یہی پیغام ہو سکتا ہے کہ کوشش جاری رکھیں اور نہیں تو بار بار گرنے والی کیڑیوں سے ہی سبق حاصل کریں۔ پھسلیں بے شک پھسلیں مگر پھر اس نیت کے ساتھ دوبارہ سفر شروع کریں کہ میں نے ہمت نہیں توڑنی اور ضرور اپنے مقصد کو حاصل کر کے چھوڑنا ہے۔ پھر انشاء اللہ آپ کے پھسلنے سے نقصان نہیں ہوگا لیکن اگر پھسلنے کا مطلب یہ ہے کہ اگلے رمضان تک مسلسل خدا سے دور ہی ہٹتے چلے جانا ہے تو پھر یہ لقاء نہیں ہے۔ اس کا جو کچھ اور نام رکھ دیں لیکن اسے آپ لقاء نہیں کہہ سکتے۔

پس اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کو حقیقت میں لقاء کے مضمون کا عرفان عطا فرمائے۔ اور اس مضمون کو سمجھنے کے بعد لقائے باری تعالیٰ نصیب کرے۔ مذہبی قوموں میں سب سے بڑی دنیا کی طاقت لقاء سے حاصل ہوا کرتی ہے۔ اتنا بڑا کام ہمارے سپرد ہے، اتنے بڑے انقلابات ہم نے برپا کرنے ہیں لقاء کے بغیر ناممکن ہے کہ ہم اس کو سرانجام دے سکیں۔ پس اس کی اہمیت کو سمجھیں۔ جتنے زیادہ صاحب لقاء جماعت احمدیہ کو نصیب ہوں گے اتنے ہی جلدی بڑے بڑے عظیم الشان انقلاب دنیا میں برپا کرنے کی ہمیں توفیق عطا ہوگی۔ اللہ کرے کہ جلد تر ہمیں یہ توفیق نصیب ہو۔ امین۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور انور نے فرمایا کہ:

کچھ عرصہ سے بعض دوستوں کی طرف سے جنازہ غائب کی درخواستیں موصول ہوتی رہی ہیں جو جمع ہوتی رہیں۔ بعض کے متعلق میرا خیال تھا کہ شاید پڑھا دیا ہے لیکن آج پرائیوٹ سیکرٹری نے جو فہرست دی ہے، معلوم ہوتا ہے وہ پہلی فہرستیں نظر سے اوجھل رہی ہیں۔ صدر انجمن کی طرف سے بھی باقاعدہ بعض سفارشات موصول ہوئی ہیں۔ پس چونکہ یہ فہرست بہت لمبی تھی اس لئے میں نے اس سے پہلے امام صاحب سے کہا تھا کہ پڑھ کر سب کو سنا دی جائے۔ پس نماز جمعہ کے بعد ان سب کی نماز جنازہ ہوگی۔

اس میں بعض ایسے متوفی شامل ہیں جن کا مختصراً ذکر مناسب ہوگا۔ ایک ہمارے قادیان میں پرانے خادم سلسلہ شریف احمد صاحب امینی کچھ عرصہ ہوا وفات پاگئے۔ اسی طرح چوہدری عبدالعزیز صاحب کھوکھر تحریک جدید کے پرانے خادم تھے۔ عبدالقیوم صاحب کھوکھر ان کے بیٹے جرمنی میں ہیں۔ بشارت احمد صاحب امروہی بھی سلسلے کے پرانے خادم واقف زندگی۔ اسی طرح ہمارے یہاں کے انگلستان کے واقف زندگی مبلغ مجید احمد صاحب سیالکوٹی کی والدہ بھی وفات پاگئیں۔ مبشر احمد صاحب طارق مربی سلسلہ کی والدہ بھی وفات پاگئی ہیں۔ مسعود احمد صاحب دہلوی سابق مدیر الفضل کے نام سے سب جماعت شناسا ہے یہ بھی بڑا مخلص فدائی خاندان ہے۔ ان کے نوجوان بیٹے جرمنی میں پیچھے کچھ عرصہ ہوا وفات پاگئے۔

اسی طرح ہمارے امریکہ کے مبلغ اظہر حنیف صاحب کے برادرِ نسبتی اسلم ندیم چوہدری کراچی میں وفات پاگئے۔

ہمارے ایک مبلغ اللہ دتہ صاحب مبشر۔ وقف جدید کے معلم ہوا کرتے تھے۔ بہت سادہ طبیعت اور کم تعلیم یافتہ لیکن بہت ہی روشن دماغ والے اور صاحب عرفان انسان تھے۔ چوروں قطب بنانے والا مضمون کچھ نہ کچھ ان پر ضرور صادق آتا تھا۔ واقعۃً چور اور ڈاکو تھے جب انہوں نے احمدیت کو قبول کیا اور اس کے بعد خدا کی راہ میں اتنی تکلیفیں اٹھائیں۔ اتنی ماریں کھائیں۔ جن علاقوں میں ان کے رعب سے لوگ کانپتے تھے وہاں جا کر انہوں نے ماریں بھی کھانی شروع کیں لیکن بڑے باہمت انسان تھے۔ ان کا مجھے بارہا اکثر خط آتے تھے کہ میرا جنازہ آپ نے ضرور پڑھانا ہے۔

صالحہ ایاز بیگم اہلیہ مختار احمد صاحب ایاز۔ والدہ افتخار احمد صاحب ایاز جو طوالو کے ہمارے فاتح ہیں۔ ماشاء اللہ جنہوں نے طوالو میں طوعی طور پر دعوت الی اللہ کا کام کر کے جماعت قائم کی جس سے آگے پھر وہ بنیاد بنی جس کے نتیجے میں ہم نے پھر اللہ کے فضل سے South Pecific کے جزائر پر اسلام کا ہلہ بولا ہے اور ایسے ایسے جزائر میں خدا تعالیٰ کے فضل سے اسلام نافذ ہوا ہے۔ جہاں اس سے پہلے کوئی بھی مسلمان نہیں تھا۔ پس یہ ان فتوحات کا پیش خیمہ بنا ہے۔ ان کی والدہ کا بھی خاص طور پر ذکر کرنا ضروری تھا۔

اسی طرح ہمارے ڈاکٹر نصیر احمد صاحب چوہدری جو امریکہ میں ہیں، بہت ہی مخلص اور قربانی کے میدان میں پیش پیش ان کے والد چوہدری ناصر احمد صاحب امریکہ میں وفات پا گئے۔ ان کا بھی میں نے وعدہ کیا ہوا تھا لیکن مجھے اب پتہ لگا ہے کہ جنازہ پہلے نہیں ہو سکا تھا۔

عنایت اللہ صاحب والد مکرم چوہدری نعمت اللہ صاحب ۔ یہ بھی سلسلے کے ایک فدائی خاندان سے تعلق رکھنے والے بزرگ ہیں ۔ پروفیسر عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم کی اہلیہ وفات پا گئی ہیں۔ اسی طرح کراچی کے ڈاکٹر طاہر کی بیگم ڈاکٹر زبیدہ طاہر ہاشمی جو سلسلے کی ایک بہت ہی مخلص خادمہ تھیں، وہ بھی کینسر میں کچھ عرصہ تکلیف اٹھا کر وفات پا گئی ہیں۔

اور آپ کی جماعت میں ایک ابھی تازہ حادثہ ہوا ہے یعنی چوہدری شاہنواز صاحب کے وصال کی اطلاع لاہور سے ملی ہے ۔ یہ جماعت لندن کے بہت ہی مخلص اور فدائی ممبر تھے اور جب سے میں یہاں آیا ہوں میں نے ان کو نصرت کے میدانوں میں ہمیشہ صف اول میں دیکھا ہے۔ جب بھی کوئی تحریک ہوئی۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے فوری طور پر انہوں نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بلکہ اس رنگ میں کہ اپنے خاندان کو اپنے طور پر حصہ لینے کی شہہ دلائی اور ایک ہی تحریک میں دونوں الگ الگ حصہ لیتے رہے ۔ چوہدری شاہنواز صاحب اپنے طور پر اور ان کے بچے، بہوئیں، بیٹیاں اور داماد وغیرہ یہ سارے اپنے طور پر اکٹھا حصہ لیتے رہے۔

ان کا مجھ سے تعلق رفتہ رفتہ بڑھا ہے۔ پہلے میں ان سے بہت زیادہ متعارف نہیں تھا لیکن شروع میں جب خلافت کے بعد انہوں نے مجھ سے گہرا رابطہ قائم کیا تو حجاب کے طور پر یہ اس طرح اپنا تعارف کرایا کرتے تھے کہ میں خود تو شاید خلافت سے تعلق میں اتنا مرتبہ نہیں رکھتا ہوں لیکن میری

بیوی آپ کی پکی مریدنی ہے۔ پس وہ ہمیشہ آپا مجیدہ کا تعارف ’’آپ کی مریدنی‘‘ کے طور پر کرا کر پھر اس رستے سے تعلق میں داخل ہوتے تھے اور پھر رفتہ رفتہ خدا کے فضل سے یہ تعلق اتنا بڑھا یا کہ پھر ایک دن میں نے ان کو کہا کہ اب ’’آپ کی مریدنی‘‘ کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ اب تو آپ خود مرید ہو چکے ہیں تو چہرے پر بشاشت کی مسکراہٹ آئی اور اس کے بعد پھر انہوں نے وہ ذکر ضروری نہیں سمجھا۔ ان کی اولاد بھی خدا کے فضل سے بڑی مخلص فدائی اور منکسر المزاج ہے۔ یہ بڑی خوبی ہے اس خاندان میں اور یہ بڑا وسیع احسان کرنے والے تھے یہ۔ جماعت ہی کی خدمت نہیں بلکہ غرباء، دوسرے خاندانوں پر، عزیزوں پر اور رشتے داروں کے علاوہ بھی بڑا وسیع ان کا احسان کا دائرہ تھا اور جو اصل خوبی کی بات، جس سے میں متاثر ہوا کرتا تھا وہ یہ تھی کہ محض روپے پیسے سے مدد نہیں کرتے تھے بلکہ اقتصادی طور پر خاندانوں کی تعمیر کرتے تھے اور ایسے بہت سے خاندان ہیں جن کی اقتصادی تعمیر میں انہوں نے حصہ لیا ہے۔ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے ہیں، باعزت روزی کمائی اور خدا کے فضل سے بڑے بڑے صاحب دولت بھی بن گئے۔ تو ان سب کے لئے جو اپنے اپنے رنگ میں احمدیت کے پھول ہیں۔ کسی کا رنگ کچھ کسی کا کچھ۔ ان سب کو نماز جنازہ میں خاص طور پر دعاؤں میں یاد رکھیں۔